ابوریاض ہاشمی

کریمیا کے تاتار مسلمان: ماضی حال اور مستقبل (۱)

[کریمیا اور اس سے تعلق رکھنے والے تاتار مسلمانوں کے بارے میں یہ مضمون دو قسطوں میں شائع کیا جارہا ہے۔ حواشی اور فہرست مراجع حسب دستور دوسری قسط کے آخر میں دیے جائیں گے۔ مدیر]

۱۸ مئی سٹالن کی طرف سے کریمیا کے تاتار مسلمانوں کو جنگ عظیم دوم کے دوران جرمن حملہ آوروں کے ساتھ تعاون اور "مادر وطن" سے غداری کے جرم میں زبردستی وطن بدر کرنے کی پچاسویں برسی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں اس روز سٹالن کے حکم سے رات کی تاریکی میں لاکھوں کریمیائی تاتاروں کو نیند سے بیدار کر کے انتہائی ظالمانہ طریقے سے ٹرکوں میں ٹھونس کر ازبکستان، سائبیریا اور سابق سوویت یونین کے مختلف علاقوں میں پہنچا دیا گیا تھا، جہاں انہیں مدتوں پولیس (MVD) کے پہرے میں مخصوص بستیوں میں رہنا پڑا۔ کریمیائی تاتار مسلمانوں کو اس سے پہلے بھی ۱۷۸۳ء میں روسی حکمرانوں کی طرف سے ان کے وطن کریمیا پر قبضہ کرنے کے بعد، مسلسل پونے دو سو سال تک وطن بدری پر مجبور کر دینے والی ظالمانہ کارروائیوں کا نشانہ بننا پڑا جن کا مقصد ایک طرف کریمیا کی اسلامی شناخت کو مکمل طور پر ختم کرنا تھا اور دوسری طرف ناقابل بیان مصائب و مشکلات سے دوچار کر کے اور ٹولیوں میں منتشر کر کے انہیں یا تو بیرون ملک ہجرت پر مجبور کرنا تھا اور یا پھر اندرون ملک مختلف علاقوں میں دیگر قومیتوں کے زیر سایہ رہنے پر مجبور کر کے بحیثیت قوم ان کے وجود کو ختم کرنا تھا۔ اور یہ شاید سزا تھی جو ماضی میں مسکووی ریاست کے ایک بالادست پڑوسی مملکت کا تہذیبی وارث ہونے کی حیثیت سے روسی حکمرانوں کی طرف سے انہیں دی جارہی تھی۔ ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے ٹوٹ جانے کے بعد کریمیا کے مستقبل کے بارے میں روس اور یوکرین کے درمیان اٹھ کھڑے ہونے والے تنازع اور کریمیا کے تاتار مسلمانوں کی بحالی وطن کی جدوجہد کے حوالہ سے اس وقت کریمیا کی سیاسی صورتحال بیرونی دنیا اور خاص کر مسلم عوام کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہے۔

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد کریمیا کی صورتحال یہ تھی کہ اس کی آبادی میں

وہاں کے اصل باشندوں یعنی تاتار مسلمانوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو سرزمین ماضی میں صدیوں تک مسلم تہذیب و ثقافت کا گہوارہ اور مشرقی یورپ کے اس خطے میں عثمانی خلافت کی عظمت کا نشان رہی ہے اور جس کے چپے چپے پر تہذیب مسلم کے نقوش تھے، اس کے مسلم تشخص کو ہزاروں مساجد و مدارس کو مسمار کر کے ان کی جگہ کلب، تھیٹر، سنیما گھر، چرچ اور تفریح گاہیں تعمیر کر کے ختم کر دیا گیا ہے۔ اس کے مستقبل کے سوال پر یہاں کے اصل باشندوں کی رائے کو نظر انداز کر کے، روس اور یوکرین کے درمیان ٹھن گئی ہے۔ تاتار کریمیائی مسلمانوں کا جرم یہ ہے کہ انہیں وطن بدر کر کے سابق سوویت یونین کے مختلف علاقوں میں انتہائی نامساعد حالات میں بسنے پر مجبور کیا گیا اور ان کی جگہ ان کے وطن میں روسیوں، یوکرینیوں اور سابق سوویت یونین کی دیگر قومیتوں کو لاکھوں کی تعداد میں لا کر آباد کیا گیا۔

موجودہ کریمیا کی تقریباً ۲۵ لاکھ آبادی میں ۶۷ فیصد روسی ہیں۔ یوکرینیوں کی بھی ایک خاصی بڑی تعداد یہاں آباد ہے۔ فروری ۱۹۵۴ء میں سابق سوویت صدر خروشچیف کی طرف سے کریمیا کو بطور تحفہ یوکرین کے حوالے کرنے سے پہلے کریمیا رشین فیڈریشن کا حصہ تھا۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد جزیرہ نمائے کریمیا کا علاقہ روس اور یوکرین کے درمیان وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ رشین فیڈریشن کا موقف یہ ہے کہ آئینی لحاظ سے کریمیا اس کا حصہ ہے۔ خروشچیف نے ۱۹۵۴ء میں محض وقتی سیاسی مصلحتوں سے مجبور ہو کر اسے یوکرین کے زیر انتظام کر دیا تھا۔ چنانچہ کریمیا کا علاقہ اب اسے واپس ملنا چاہیے۔ یوکرین، رشین فیڈریشن کے اس موقف کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کا اصرار ہے کہ ۱۹۵۴ء کے فیصلہ میں ردّو بدل ناقابل قبول ہے۔

دراصل کریمیا کے مستقبل سے متعلق اس روسی - یوکرینی نزاع کے پس منظر میں بحیرہ اسود کے تاریخی بحری بیڑے پر کنٹرول کے مسئلہ کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ ماضی میں بحیرہ اسود کا یہ بیڑہ سلطنت روس اور سوویت یونین کی طاقت و عظمت کا نشان رہا ہے۔ چنانچہ سوویت یونین کا وارث ہونے کے ناطے رشین فیڈریشن کی حکومت اس پر اپنا تاریخی حق جتلاتی ہے۔ اور اسی نسبت سے بحیرہ اسود کے کریمیائی ساحلوں پر اہم بندرگاہوں تک اپنے ارضی امتداد کو بحال رکھنے کے لیے جزیرہ نمائے کریمیا کی واپسی کا تقاضا کرتی ہے۔ یوکرین ۱۹۵۴ء میں خروشچیف کے فیصلہ کے تحت کریمیا کو اپنا علاقہ تصور کرتا ہے، اور یوں بحیرہ اسود کا ساحلی ملک ہونے کے ناطے بحیرہ اسود کے بحری بیڑے کو اپنی ملکیت قرار دیتا ہے۔

کریمیا کے مستقبل سے متعلق اس نزاع کو ختم کرنے کے لیے ۱۹۹۲ء کے اوائل میں یوکرینی حکومت کی طرف سے کریمیا میں عوامی ریفرنڈم کے انعقاد کی تجویز پیش ہوئی جس کی تاتار مسلمانوں نے سختی سے مخالفت کی۔ ان کا موقف تھا کہ کمیونسٹ جبر کے تحت وطن بدر کیے گئے کریمیائی تاتار

مسلمانوں کے علاوہ کسی کو بھی کریمیا کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ روسی اور یوکرینی آباد کاروں کو اس بات کا کوئی حق نہیں کہ وہ ان کے وطن کے مستقبل سے متعلق کوئی فیصلہ کریں۔ موجودہ صورتحال میں کریمیائی تاتاروں کا اصل مسئلہ فوری آزادی نہیں، بلکہ تمام ہم نسل کریمیائی تاتاروں کو وسطی ایشیا کی مختلف ریاستوں، سائبیریا اور سابق سوویت یونین کی دیگر ریاستوں سے واپس لا کر کریمیا، یعنی ان کے اصل وطن میں آباد کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں کریمیا کے تاتار مسلمان مصطفیٰ زیمبلیف کی قیادت میں متحرک ہیں۔ انہوں نے "کریمیا تاتار مجلس" کے نام سے اپنی ایک پارٹی قائم کرلی ہے، جس کے پروگرام میں کریمیائی تاتار مسلمانوں کی کریمیا میں ازسرِ نو آباد کاری کو اولین ترجیح حاصل ہے۔ بظاہر یوکرینی حکومت کا رویّہ تعاون پر مبنی ہے، جس نے کریمیائی باشندوں کی وطن واپسی کے لیے ایک ادارہ "فاونڈیشن آف ڈیپورٹیڈ پیپلز آف کریمیا" کے نام سے قائم کیا ہے جس کی انتظامی کونسل میں تاتاروں کی نمائندگی کے لیے تین نشستیں رکھی گئی ہیں جبکہ بلغاری، ارمینیائی، یونانی اور جرمن نسلوں سے تعلق رکھنے والی قومیتوں کو ایک ایک نشست دی گئی ہے۔ یوکرین کے بجٹ میں اس فاونڈیشن کے لیے رقوم بھی مختص کی گئیں۔

کریمیائی تاتار مسلمان اپنے ہم نسل، وطن بدر بھائیوں کی کریمیا میں دوبارہ آباد کاری کے عمل کے مکمل ہونے سے پہلے کریمیا کے مستقبل کے فیصلے سے متعلق کسی بھی آئینی عمل یا سیاسی تحریک کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ مئی ۱۹۹۲ء میں بوجوہ یوکرینی حکومت نے ریفرنڈم کرانے کا ارادہ ترک کردیا۔ دوسری طرف روسی جن کو کریمیا کی موجودہ آبادی میں اکثریتی طبقہ کی حیثیت حاصل ہے، جلد از جلد کریمیا کو اپنی "مادرِ وطن" رشین فیڈریشن کی سیاسی بالادستی کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے لیے پہلے مرحلہ میں وہ کریمیا کی آزادی اور استقلال کی تحریک چلا رہے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی عددی برتری کے کارڈ کو استعمال کر رہے ہیں۔ جنوری میں روسی قوم پرست یوری مشکوف کے بحیثیت صدر کریمیا منتخب ہو جانے کے بعد اس تحریک کو مزید تقویت ملی ہے۔ اسی پس منظر میں جمعہ ۲۰ مئی ۱۹۹۴ء کو کریمیا کی پارلیمنٹ نے دو کے مقابلے میں ۶۹ ووٹوں سے ۱۹۹۲ء کے آئین کی بحالی کے حق میں فیصلہ دیا۔ ۱۹۹۲ء کا کریمیائی آئین یوکرین اور کریمیا کے درمیان معاہدہ و میثاق پر مبنی تعلقات، کریمیائی شہریت اور کریمیا کی مقامی ملیشیا کے قیام سے متعلق دستوری شقوں پر مشتمل ہے۔ کریمیائی پارلیمنٹ کے اس فیصلہ پر یوکرینی حکومت کا ردِعمل بڑا شدید تھا، جو اسے کریمیا کی یوکرین سے علیحدگی کی جانب قدم قرار دے رہی ہے۔ یوکرین کی قومی پارلیمان میں صدر کراوچک نے قرارداد کا ایک مسودہ پیش کیا، جس کی رو سے کریمیا کے قانون سازوں کو اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے اور یوکرینی قانون و دستور کی بالادستی تسلیم کرنے کے لیے دس دن کی مہلت دی گئی ہے۔ یوکرینی پارلیمنٹ نے نہ صرف اس قرارداد کو منظور کرلیا بلکہ کریمیا کے دستور کو بھی معطل کردیا۔

دوسری طرف ماسکو میں صدر بورس یلسن نے کہا کہ انہوں نے یوکرین کے صدر کراوچک کو متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کریمیا کے خلاف طاقت کے استعمال سے باز رہیں۔ صدر یلسن نے مزید کہا کہ یوکرینی صدر نے انہیں یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ صورتحال کو مزید خراب نہیں ہونے دیں گے۔ صدر یلسن کے مطابق ماسکو اور کیو (کیف) کے حکام میں سے کسی کو بھی کریمیا کے معاملات میں مداخلت کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ کریمیا کے "باشندے" ہی اپنے وطن کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے حقدار ہیں۔ کریمیا کے مستقبل کے بارے میں روس اور یوکرین کے درمیان جاری اس سرد جنگ کا (جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) چونکہ براہ راست بحیرہ اسود کے بحری بیڑے پر کنٹرول سے تعلق ہے، اس لیے اس بحری بیڑے کے کمانڈر اس نئی رونما ہونی والی صورتحال پر خاموش نہیں رہ سکے۔ سیواستوپول میں واقع بیڑے کے مرکز سے بیڑے کے کمانڈر نے خبردار کیا ہے کہ اگر مسئلے کا سیاسی حل تلاش کر کے صورتحال کو مزید خراب ہونے سے نہ بچایا گیا، تو ان کے لیے اس بحران سے لاتعلق رہنا مشکل ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ کریمیا کی پارلیمنٹ نے ۱۹۹۲ء کے آئین کی بحالی کے ساتھ ساتھ ایک اور قانون بھی منظور کیا ہے جس کی رو سے یوکرین کی فوج میں خدمات انجام دینے والے کریمیائی باشندوں کو کریمیا واپس بلایا گیا ہے اور آئندہ کے لیے کریمیائی باشندوں پر کریمیا کی حدود سے باہر فوجی خدمات انجام دینے پر پابندی لگا دی ہے۔ کریمیائی پارلیمنٹ کے تاتار ممبران اور کمیونسٹوں نے پارلیمنٹ کے ان فیصلوں پر ووٹنگ میں حصّہ نہیں لیا۔

کریمیائی تاتار مسلمان انتہائی خود دار اور آزادی کے خوگر واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے سابق سوویت یونین کے کمیونسٹ جبرواستبداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اجتماعی وطن بدری کے نتیجے میں سابق سوویت یونین کے مختلف علاقوں میں تتر بتر ہونے کے باوجود ان کے اندر اپنے جداگانہ قومی تشخص کا احساس اور مذہب سے لگاؤ ختم نہیں کیا جا سکا ہے۔ چنانچہ سوویت یونین کے سابق صدر خروشچیف ہی کے عہد سے وہ ابنائے وطن کو متحد کر کے اپنے وطن میں اپنی اکثریت بحال کرنے اور پھر سے اپنا مستقبل مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے اواخر میں سوویت یونین کے زوال کے بعد سے اس جدوجہد نے نیا رُخ اختیار کر لیا ہے۔ اب کریمیائی تاتاروں کا مطمحِ نظر کریمیا میں تاتار قومی ریاست کا احیاء ہے۔ جس کے حصول کے لیے وہ روس اور یوکرین کے مابین تنازع میں کسی قسم کا حصّہ لیے بغیر بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہے ہیں۔ کریمیا کے تاتار مسلمانوں کی اس خاموش جدوجہد کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے کسی حد تک کریمیا کی تاریخ اور ماضی میں یہاں قائم تاتار خانیت کے تاریخی پسِ منظر کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جغرافیائی محل وقوع

جزیرہ نمائے کریمیا یوکرین کے جنوب میں بحیرہ اسود کے اندر کی طرف پھیلی ہوئی خشکی کا نام ہے۔ جزیرہ نما کا کل رقبہ ۲۵،۵۰۰ کلومیٹر پر مشتمل ہے اور یہ ۸ کلومیٹر چوڑی پیریکاپ نامی ایک پٹی کے ذریعہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ شمالی اور وسطی علاقے ہموار میدانوں پر مشتمل ہیں۔ جنوب کی طرف پہاڑی علاقہ ہے جو تین پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ انتہائی جنوب میں پھیلا ہوا مونٹ پائیلا نامی پہاڑی سلسلہ، جو ڈیڑھ ہزار میٹر بلند چوٹیوں پر مشتمل ہے، ساحلی علاقوں تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی بلندی ساحل سمندر کی طرف بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ آب و ہوا اور موسم نسبتاً معتدل ہے، اور جنوب مشرقی ساحلی علاقوں میں بحر متوسط کے علاقوں کی طرح کا موسم پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر دریائے سالغیر کا پانی آب پاشی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کی مدد سے میدانی علاقوں میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ پہاڑی علاقے لکڑی کے جنگلات اور وسیع چراگاہوں پر مشتمل ہیں۔ انہی علاقوں میں انگوروں کے باغات بھی ہیں۔ کرچ (Kerc) اور سیواستوپول کے علاقوں میں لوہے اور کیلشیم فلورائیڈ کے ذخائر بھی پائے جاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں جزیرہ نمائے کریمیا میں تقریباً تمام ضروری صنعتیں بھی موجود ہیں۔

جزیرہ نما کی قدیم آبادی

زمانہ قدیم میں جزیرہ نما سیتھیوں (Scythians) کا مسکن رہا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح اور اس کے بعد کے زمانے میں جزیرہ نما کے ساحلی علاقوں میں یونانی آکر آباد ہوئے۔ سن ۴۸۰ قبل مسیح میں ان یونانی نوآبادیوں نے باسپوری مملکت (Basporean State) کی شکل اختیار کی۔ پہلی صدی قبل مسیح میں ایک مختصر مدت کے لیے یہ علاقہ مملکت بحر اسود (Pontian Kingdom) کے زیرِ اقتدار رہا۔ سن ٦۳ قبل مسیح سے جزیرہ نمائے کریمیا پر رومی سلطنت کا اقتدار قائم ہوگیا۔

چوتھی صدی عیسوی میں یہاں پہلے گوتھ اور بعد میں ہن اقوام وارد ہوئیں۔ سن ۱۲۳۹ء تک باز نطینی سلطنت کا جزیرہ نما کے ایک حصے کرسون (Korsun) پر اقتدار قائم رہا، جبکہ اس کے مرکزی علاقوں پر مملکت خزر کی بالادستی قائم تھی۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں یہاں روسی آباد کار بھی وارد ہوئے، جنہوں نے جزیرہ نما کے علاقے تمان (Taman) میں رہائش اختیار کی، اور جن کی وجہ سے باز نطینی سلطنت سے تعلقات کو فروغ ملا۔ گیارھویں صدی کے وسط سے سن ۱۲۳۹ء تک جزیرہ نما قپچاق قبائل کے زیر تسلط رہا۔ ۱۲۳۹ء میں جزیرہ نما پر تاتاریوں کے لشکر زریں (Golden Horde) کی سیادت قائم ہو گئی۔

ادریسی شاید ازمنۂ وسطی کے پہلے عرب جغرافیہ دان ہیں جنہوں نے "کریمیا" کا نام لے کر اس خطے کا ذکر کیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق جزیرہ نمائے کریمیا میں اسلام کی آمد روم کے مسلمان علاقوں کے سلجوقی حکمران علاؤالدین کیقباد (۶۱۶ - ۶۳۴ ھجری / ۱۲۱۹ - ۱۲۳۶ عیسوی) کی ایک فوجی مہم سے وابستہ ہے۔ لیکن ابن الاثیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کریمیا میں نور اسلام کی کرنیں بہت پہلے پہنچ چکی تھیں۔

ابن الاثیر نے علاؤالدین کیقباد کی تخت نشینی اگرچہ سن ۶۱۶ ھجری کے واقعات کے ضمن میں بیان کی ہے لیکن ۶۱۶ ھجری میں سلطان کی طرف سے کریمیا یا بلاد قپچاق (عربی قفجاق) یا شہر سگدایا (عربی: سوادق) کی طرف کسی مہم کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ سن ۶۱۷ ھجری کے واقعات کے ضمن میں چنگیز خانی تاتاروں (منگولوں) کے طوفانی حملوں کا ذکر کرتے ہوئے دربند شیروان (داغستان) عبور کر کے بلاد قپچاق میں ان کی تاراج کا ذکر کیا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے بارے میں وہ لکھتا ہے "وہم مسلمون و کفار"۔ یعنی ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل تھے۔ آگے جاکر ابن الاثیر لکھتا ہے۔

"ولماوصل التتر الی سوادق ملکوها وتفرق اهلها منها، فبعضهم صعد الجبال باهله وماله، وبعضهم رکب البحر، وسار الی بلاد الروم التی بید المسلمین من اولاد قلج ارسلان"

یعنی جب تاتاریوں نے سوادق پر قبضہ کر لیا تو اہلیانِ شہر و (علاقہ) منتشر ہو گئے کچھ تو اپنا مال واسباب اور اہل و عیال لے کر پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور کچھ سمندری راستے سے بلاد روم کے ان علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے جن پر قلج ارسلان کے اولاد کی حکمرانی تھی اور جو مسلمانوں کے زیرِ قبضہ تھے۔ (ابن الاثیر: ۱۹۸۷ء، جلد دہم صفحہ ۴۱۷) ابن الاثیر کی اس تحریر سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ کریمیا میں اسلام ۶۱۷ ھجری / ۱۲۱۹ء سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اہل سوادق / سوداق (کریمیا) کا مصیبت اور درماندگی کے وقت مسلمان علاقوں کی طرف رخ کرنا اس بات کی واضح شہادت فراہم کرتا ہے کہ چونکہ وہ مسلمان تھے اس لیے انہوں نے اپنا مستقبل اپنے ہم مذہب مسلمانوں سے وابستہ سمجھ لیا تھا۔ بہر حال کریمیا میں وسیع پیمانے پر اسلام کے فروغ کا زمانہ ۱۲۳۹ء میں جزیرہ نما پر تاتاریوں کے لشکر زرین کا قبضہ مستحکم ہوجانے کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے۔[۲]

خان اوزبیگ (Khan Ozbag) کے دور اقتدار (۴۲-۷۱۲ ھجری / ۴۱ - ۱۳۱۳ء) میں سنی عقائد پر مبنی اسلامی تعلیمات کو کریمیا کے تاتاریوں اور لشکر زرین میں قبولِ عام حاصل ہوا۔

اسلام سے پہلے کے مذاہب

گو کہ تاریخی ذرائع سے کریمیا میں یہودی آبادی کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کا ثبوت کریمیا میں پائے جانے والے یہودی مقبروں سے بھی ملتا ہے، لیکن تاریخ کے اوراق ان کے مفصل احوال سے خاموش ہیں۔ ارتھوڈکس جرمن گوتھوں کا ایک اسقفی تعلقہ پرانے کریمیا (Old kirim) میں موجود تھا۔ سینٹ فرانسس کے پیروکار جنوِوی[۳] نو آباد کار کریمیا میں مغربی/ لاطینی عیسائیت کی نمائندگی کرتے تھے۔

سن ۱۳۱۸ء میں کافا کا لاطینی اسقفی تعلقہ قائم کیا گیا اس اسقفی تعلقے کے بشپ کی عملداری کا علاقہ ورنا (جدید بلغاریہ) سے لے کر لشکر زرین کے دارالحکومت سرائے تک پھیلا ہوا تھا۔ چرسون (Cherson) میں سن ۱۳۳۰ء میں ایک اور لاطینی/مغربی اسقفی تعلقہ قائم کیا گیا جس کی ازسرِ نو تشکیل سن ۱۳۳۳ء میں انجام پائی۔[۴]

چودھویں صدی میں وینس کی افواج کے ساتھ بحر متوسط اور بحیرہ ایجین (Agean Sea) میں لڑی جانے والی پے در پے جنگوں کے نتیجہ میں جنوویوں کو سغداک بلکلاوہ، سیوا ستوپول، تانا اور منکا سترو میں تجارتی صنعتیں لگانے کا موقع ملا۔ سن ۱۳۴۳ء تک تانا میں وینسیوں کی بھی ایک نو آبادی رہی ہے۔ وینسیوں اور جنوویوں کے علاوہ، جن کا تعلق اٹلی سے تھا، کریمیا کی بستیوں اور شہروں میں مشرقِ وسطی کے عرب اور اناطولیہ کے ترک مسلمان، یونانی اور کثیر تعداد میں آرمینائی عیسائی بھی رہتے تھے۔ چنانچہ ماضی کے ایک دور میں جزیرہ نمائے کریمیا کو آرمینیا مگنا اور آرمینیا میری ٹائما کے نام سے بھی یاد کیا جاتا رہا ہے۔

ازمنہ وسطی کی تجارتی سرگرمیاں

منگولوں کے لشکر زریں کی طرف سے جزیرہ نمائے کریمیا کے لیے حاکم یا والی کے نام سے گورنر کا تقرر کیا جاتا تھا، جو اپنے طور پر وادی نیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم رکھتا تھا۔ پندرھویں صدی کے وسط تک ساحلی علاقوں کے علاوہ جزیرۂ نمائے کریمیا کے دیگر علاقوں میں آبادی انتہائی کم تھی۔ اور یہ باز نطینی تاجروں کے توسط سے درہ دانیال کے ذریعہ مصر کے ساتھ تجارت کا ایک اہم مرکز رہا۔ مدت دراز تک کریمیا مصر کے لیے مملوکوں اور غلاموں کی رسد کا ذریعہ رہا ہے۔ جبکہ مصر سے سامان تعیش، عطور اور نفیس چادریں کریمیا کے راستے والگا برآمد کی جاتی رہیں۔ کریمیا سے مصری سامان تجارت سغداک، پرانے کریمیا اور پیریکاپ سے گزر کر جانے والی سڑک کے ذریعہ والگا برآمد کیا جاتا تھا۔

اناطولیہ کے ساتھ تجارت بھی خاصی اہمیت کی حامل تھی۔ بعد کے زمانے میں تجارتی کاروانوں کی آمدو رفت کا انتظام تربیزون (Terbizond) نے سنبھال لیا جو سن ۱۴۶۲ء تک بازنطینی سیادت کے تابع رہا۔ کریمیا کے جنوبی آباد کار یورپ سے لینن اور مٹی و چینی کے ظروف درآمد کرتے اور پھر انہیں کریمیا سے مختلف ممالک کو برآمد کرتے تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں تجارتی شاہراہ دریائے بگ کے کنارے کنارے لک luck، لمبرگ Lemberg اور برسلاو Breslau شہروں سے ہو کر گزرتی تھی۔

ازمنہ وسطیٰ کی تہذیب

۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء کے دوران کی جانی والی آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے نتیجہ میں دریافت ہونے والی ظروف سے پتہ چلتا ہے کہ جزیرہ نمائے کریمیا میں پروان چڑھنے والی ازمنۂ وسطیٰ کی تہذیب و تمدن پر مصر، سلجوقیوں کے ایشیائے کوچک اور کسی حد تک جنوبی آباد کاروں کی چھاپ تھی۔ پندرھویں صدی تک کریمیا کی حیثیت محض لشکر زریں کی ایک نوآبادی کی رہی۔ جس کے نتیجہ میں بارہا یہ اقتدار کے طالع آزماؤں کی رزم گاہ بھی بنتا رہا۔ سن ۱۲۹۱ء میں نوگوئی (Nogoy یا Nokhay) اور سن ۱۳۵۹ء میں مَے (Mamay) قبائل یہاں حملہ آور ہوئیں۔ ۱۳۹۵ء میں جزیرہ نمائے کریمیا امیر تیمور کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا۔ چنانچہ چودھویں صدی کے اختتام تک جزیرہ نما کی تہذیب و تمدن پر ان نو واردوں کے اثرات نمایاں تھے۔ ظہور اسلام اور عثمانی خلافت کا حصّہ بن جانے کے بعد کریمیا اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بن گیا۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں مساجد تعمیر کی گئیں، جن کے پُرشکوہ مینار علاقے کی رونق کا مستقل حصّہ تھے۔ سینکڑوں دینی مدارس اور خانقاہیں تھیں، جہاں تشنگانِ علوم اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ تمام شعبہ ہائے حیات پر اسلامی تہذیب و ثقافت کی گہری چھاپ تھی، جس کے نقوش، گو دھندلے سہی، کا نظارہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

کریمیا تاتار خانیت کی تشکیل کی ابتداء

وادی والگا میں حکمران چنگیزی تاتاروں کے لشکر زریں کے شہزادوں کی اقتدار کے لیے خانہ جنگی کے دوران جس کی ابتداء سن ۱۳۵۹ء میں ہوئی، چنگیز خان کے بیٹے جوجی خان کی اولاد میں سے کئی تاتار شہزادوں نے مختلف اوقات میں کریمیا کو اپنا مستقل وطن بنایا۔ ان تاتار شہزادوں کی اولاد نے غالباً پندرھویں صدی کی ابتداء ہی سے گیرائے یا کیرے (Geray or Kerey) کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ۱۴۲۶ء میں ایک تاتار شہزادے دولت بردی (Devlet Berdi) نے کریمیا پر اپنی گرفت مضبوط کی

اور عثمان اقتدار سنبھالتے ہی مصر سے تعلقات کی تجدید کا خواستگار ہوا۔ ۱۴۲۷ء ہی سے دولت بردی گیرائے اور اس کے بھائی حاجی گیرائے کو تاتاریوں کے لشکر بزرگ (Great Hordc) جو اس وقت تک لشکر زریں (Golden Horde) کا ہی حصہ تھا، اور جو کریمیا کو اپنی نوآبادی شمار کرتے تھے، کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اگست ۱۴۴۹ء میں حاجی گیرائے نے باقاعدہ طور پر کریمیا کا حکمران ہونے کا دعوی کیا۔ ۱۴۶۶ء میں اپنی موت تک حاجی گیرائے عثمانی خلافت اور پولینڈ/لتھوانیا کے شہنشاہ کاسیمیر چہارم (Casimsir iv) کی حمایت سے کریمیا کا حکمران رہا۔ حاجی گیرائے کا پایۂ تخت شروع میں اس کا آبائی قصبہ (Kirk Yer) رہا لیکن بعد میں اس نے باغچے سرائے کو اپنی حکومت کا مستقر بنایا۔ حاجی گیرائے اور اس کے بعد اس کے بیٹے منگلی گیرائے نے زوال پذیر لشکر بزرگ (Great Hordc) کے بھگوڑوں کو پناہ دینے کا عمل مسلسل جاری رکھا۔ اور انہی بھگوڑوں کی بدولت جوجی خان کے بیٹے توغا تیمور Togha Temur کی اولاد میں سے حاجی گیرائے کے خاندان نے تاتاری مملکتوں میں سے سب سے مضبوط مملکت (Creamcan Tatar State) کی بنیاد رکھی۔ آہستہ آہستہ بحیرہ اسود کے شمالی ساحل پر بسنے والی نوگوئی اور بدجاک (Budjak) قومیتوں پر بھی کریمیا کی تاتار سلطنت کی بالادستی قائم ہو گئی۔

۱۴۶۶ء میں حاجی گیرائے کی وفات کے بعد اس کے آٹھ بیٹوں میں اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ انجام کار منگلی گیرائے اوّل کو ان داخلی جنگوں میں بالادستی حاصل ہوئی۔ منگلی گیرائے اوّل کو آزاد اور خود مختار کریمیائی سلطنت کا حقیقی بانی سمجھا جاتا ہے۔ عثمانی فوجوں کی طرف سے ۱۴۷۵ء میں کافا (Kaffa) فتح کئے جانے کے بعد منگلی گیرائے نے عثمانی بالادستی کو قبول کر لیا اور اس کے بدلے میں باب عالی کی طرف سے گیرائے خاندان کو کریمیا میں اقتدار کا واحد وارث تسلیم کیے جانے کے سیاسی فوائد سے اس خاندان نے بعد کے ادوار میں خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

اسلام گیرائے دوم (۶-۹۹۲ ہجری/۸-۱۵۸۴ء) کے دور سے گیرائے خاندان کے حکمرانوں کا نام عثمانی خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ خطبات جمعہ میں لیا جانے لگا۔ کریمیا کو اپنا سکہ ایجاد کرنے کا حقدار تسلیم کیا گیا۔ گیرائے خاندان کی حکومت داخلی معاملات میں مکمل طور پر خود مختار تھی، اور نظام حکومت کم و بیش عثمانی خلافت کی طرز پر تھا۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً باب عالی اور گیرائے سلطنت کے تعلقات کشیدگی کا شکار بھی رہے، لیکن بحیثیت مجموعی عثمانیوں اور کریمیا کے ترکوں کے درمیان تعاون اور اسلامی اخوت پر مبنی دوستانہ تعلقات رہے۔ وقتاً فوقتاً دونوں مملکتوں کی افواج کی مشترکہ مہمات بھی روانہ کی جاتی رہیں۔ ۱۴۷۶ء اور ۱۵۲۸ء میں مالدوویا پر اور ۱۵۴۳ء میں ہنگری پر دونوں مملکتوں کی مشترکہ افواج حملہ آور ہوئیں۔ ۱۴۸۴ء میں اک کرمان (Ak Kirman) اور کلیا (Kilia) کی فتح کے بعد اور ۱۴۹۷ء میں مالدوویا میں پولش افواج کی شکست کے بعد ہی سے کریمیا کی تاتار خانیت کے براہ راست

تعلقات جزیرہ نمائے بلقان کی عثمانی مقبوضات سے قائم ہوگیے تھے۔ شمال مشرقی میں چرکس اور کبارد (کبارد۔سو) قبائل کریمیا خانیت کی رعایا شمار ہوتی تھیں۔ اور یوں بحیرہ اسود نے عثمانی ترکوں اور کریمیائی تاتاروں کے علاقائی سمندر کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔

مسکووی - کریمیا تعلقات

۱۴۷۰ء کے بعد پولینڈ/لتھوانیا کے شاہ کا سیمسیر چہارم (Casimir iv) کی طرف سے لشکرِ بزرگ (Great Horde) کی طرف دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھانے کے بعد شمال میں عیسائی طاقتوں کے ساتھ کریمیا کی خانیت کے تعلقات تعطل کا شکار ہوگئے۔ گیرائے حکمرانوں نے اب اپنی توجہ ماسکو کے شہزادوں (Dukes) کی طرف مبذول کردی۔ جنہیں ۱۴۶۸ء سے ۱۵۷۱ء تک خراج کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ ۱۵۰۲ء میں لشکرِ بزرگ (Great Horde) کے زوال تک ماسکو کی پرنسپلٹی اور کریمیا کی تاتار خانیت میں دوستی اور تعاون کے تعلقات قائم رہے۔[5] اس کے بعد دوستی اور تعاون کے ان تعلقات کی از سرِ تجدید کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں پولینڈ/لتھوانیا کی مزدوجہ شہنشاہیت مسکووی اور کریمیا کی خانیت کی افواج کے حملوں کا نشانہ بنتی رہی۔ کریمیا کی تاتار خانیت کی اس جارحانہ پالیسی اور مسکووی کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے لشکرِ بزرگ (Great Horde) کے حکمران، خاص کر جنوری ۱۴۸۱ء میں خان احمد کی وفات کے بعد، زبردست مشکلات سے دوچار ہوئے۔ لشکرِ بزرگ کی حکومت کے خاتمہ تک حکومتی عہدیداروں، فوجی سالاروں اور حتی کہ شہزادوں تک کا اپنی حکومت سے بھگوڑا ہوکر کریمیا کی خانیت میں پناہ لینے کا عمل جاری رہا۔ ۱۵۰۲ء میں کیف کے مشرق میں دریائے ڈیسنا اور دنیپر کے سنگم پر لشکرِ بزرگ کی حتمی شکست اور اس کے آخری خان کے لتھوانیا کی طرف فرار ہونے کے بعد، جہاں ۱۵۰۵ء میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا، والگا کی سرائے میں قائم لشکرِ بزرگ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ لشکرِ بزرگ اور کریمیا کے گیرائے خاندان دونوں کا تعلق لشکرِ زرّیں سے تھا، جس کی مسکووی ریاست اور لتھوانیا باجگزار رہ چکی تھیں، اس لیے لشکرِ بزرگ کے خاتمہ کے بعد کریمیا کے گیرائے حکمرانوں نے بلاشرکت غیرے لشکرِ زرّیں کی سیاسی بالادستی کا وارث ہونے کا دعویٰ کردیا، اور ماسکو اور لتھوانیا سے بلاحیل و حجت خراج کی ادائیگی کا مطالبہ کردیا۔ مزید برآں کریمیا کے تاتار خان منگلی گیرائے نے بتدریج قازان اور استرخان خانیتوں کے محافظ کے طور پر اپنی حیثیت منوانا شروع کردی، جس کی وجہ سے ماسکو کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہونا شروع ہوگئے۔ منگلی گیرائے نے پولینڈ/لتھوانیا کے شاہ سجسمنڈ اوّل (۴۸ - ۱۵۰۵ء) کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے اور معاہدہ امن پر دستخط کرنے کی پیش کش کی۔ معاہدہ کے سلسلہ میں بات چیت ابھی جاری تھی کہ

۱۵۱۵ء میں خان منگلی گیرائے کا انتقال ہو گیا۔

سیاسی استحکام، ثقافتی ترقی اور سماجی خوشحالی کا دور

خان منگلی گیرائے کے عہد حکومت میں کریمیا ثقافتی ترقی کے نقطہ کمال تک پہنچ گیا تھا۔ عثمانی ترکوں کی اسلامی تہذیب و تمدن یہاں مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی۔ متعدد علمی اور ادبی حلقوں کا وجود عمل میں آیا۔ اگستینو گیر بالدی اور ونسنٹو ذوگلفی جیسے اطالوی (جنووی) فنکاروں اور معماروں کی اعلیٰ ہنرمندی اور ترک فن تعمیر کے امتزاج سے متعدد عالی شان عمارات کھڑی کی گئیں، جن میں باغچے سرائے میں خان منگلی گیرائے کے عظیم الشان محل اور "زنجیرلی مدرسہ" کی عمارات کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موٴخر الذکر عمارت انقلابات زمانہ کے اثرات سے محفوظ رہی ہے، اور یہ آج تک موجود ہے۔ خان محمد گیرائے اوّل (۲۲-۱۵۱۵ء) کو اپنے باپ خان منگلی گیرائے سے ورثہ میں ملی ہوئی علاقائی سیاسی صورتِ حال اور کریمیا کی مضبوط و مستحکم پوزیشن کا ہی نتیجہ تھا کہ نئے خان نے بھی لشکر زرین کے وارث کی حیثیت سے علاقہ میں کریمیا کی برتر پوزیشن کو منوانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس تناظر میں خان محمد گیرائے اوّل تمام تاتار خانیتوں کو متحد کر کے کریمیا کی خانیت میں ضم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کے لڑکے صاحب گیرائے نے ۱۵۲۱ء میں کازان کے ماسکو نواز خان کو استر خان کے خان کی مزاحمت کے باوجود اپنے علاقے سے نہ صرف نکال باہر کیا، بلکہ اس کی حدود عملداری کو بھی اپنی خانیت میں شامل کر لیا۔ اپنے بھائی اسلام گیرائے کو معزول کر کے خود خان بننے کے بعد، صاحب گیرائے اوّل (۵۱- ۱۵۳۲ء) اپنی اس جارحانہ پالیسی کو برقرار نہ رکھ سکے۔ اسی دوران ماسکو میں عنانِ اقتدار "ایوان چہام خوفناک" نے سنبھال لی تھی، جس نے ۱۵۴۷ء میں پہلی دفعہ ماسکو کے حکمرانوں کے لیے "زار" کے لقب کو اختیار کیا۔

دورِ زوال کا آغاز

۱۵۴۱ء میں صاحب گیرائے کو پہلی دفعہ زار روس آیوان خوفناک کی فوجوں کے ہاتھوں اوکا کے مقام پر شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور یہیں سے کریمیا کی خانیت کا زوال شروع ہوا۔ ایوان خوفناک نے بڑی احتیاط اور دانشمندی سے اپنی فوجوں کو جمع کیا اور جارحانہ اقدامات کرتے ہوئے اکتوبر ۱۵۵۲ء میں کازان کو اور ۱۵۵۴ء سے ۱۵۵۶ء تک استر خان کو اپنی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ اور یوں بحیرہ کیسپین تک پھیلی ہوئی والگا وادی ماسکو کے روسی حکمرانوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ خان دولت گیرائے

اوّل (۷۷ - ۱۵۵۱ء) نے روسیوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کے پیش نظر از سر نو پولینڈ/لتھوانیا کے ساتھ دوستی قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس دوران پولینڈ/لتھوانیا ۱۵۶۹ء میں یونین آف لبلن (Union Of Lublin) کے نام سے ایک متحدہ ریاست کی حیثیت سے باہم مدغم ہو گئی تھیں۔ اور اس متحدہ ریاست کو بھی ماسکو کی بڑھتی ہوئی توسیع پسندی سے حقیقی خطرات کا سامنا تھا۔ خان دولت گیرائے کے ساتھ ساتھ عثمانی خلیفہ سلیمان دوم کو بھی وسیع مسلم علاقوں کے ارتھوڈکس عیسائیوں کے قبضہ میں چلے جانے پر گہری تشویش تھی۔ چنانچہ دونوں نے مشترکہ طور پر تاتار حریت پسندوں کی تحریک مزاحمت کو امداد دینا شروع کر دی۔ ۱۵۵۵ء میں خان دولت گیرائے نے روسیوں کے خلاف فوجیں بھیج کر مقبوضہ علاقوں کے تاتاروں کی امداد کرنا چاہی، لیکن ساتھ ساتھ خان کو عثمانی ترکوں سے اس بات کا بھی ڈر اور خدشہ تھا کہ تاتاریوں کی امداد کے بہانے مبادا عثمانی خلیفہ کریمیا کو اپنے مضبوط دائرہ اثر میں جکڑنے کی کوشش نہ کرے۔ یہی وجہ تھی کہ خان دولت گیرائے نے کریمیا کے علاقہ میں عثمانی ترکوں کے اجتماع کی حوصلہ شکنی کی۔ دریائے ڈون اور والگا کو ولگوراڈ (Volgorade) کے نزدیک جہاں دونوں دریا ایک دوسرے کے نزدیک آ گئے ہیں، ایک نہر کے ذریعہ ملانے کے منصوبہ کو روبہ عمل لانے میں بھی عثمانی خلیفہ کو کریمیا کے خان کی طرف سے تائید و امداد نہیں ملی۔ غلط فہمیوں اور خدشات کی اسی فضا میں ۱۵۶۹ء کے موسم سرما میں استر خان اور بحرازوف (Sea of Azov) کے درمیانی علاقہ میں عثمانی ترک فوجوں کی شکست کے بعد سلطان سلیم دوئم کا مذکورہ منصوبہ بری طرح ناکام ہو گیا۔

عاقبت نا اندیشی اور اس کے نتائج

۱۵۷۱ء میں لیپانٹو میں ترکی بحریہ کی شکست کے بعد عثمانیوں کی کمزور ہوتی ہوئی حیثیت کھل کر سامنے آ گئی، اور عثمانیوں نے بظاہر روسیوں کے خلاف پیش قدمی کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ دوسری طرف کریمیا کی خانیت نے اس کے نتیجہ میں کریمیا کے استقلال کو روسیوں کی طرف سے بڑھتے ہوئے خطرات کو بھانپنے کی بجائے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ کریمیا پر عثمانی خلافت کے براہ راست تسلط کا خطرہ ٹل گیا۔ خان دولت گیرائے اوّل نے ۱۵۷۱ء میں پوری قوت مجتمع کر کے روسیوں کے خلاف پیش قدمی کی اور ماسکو شہر پر قبضہ کر کے اسے نذر آتش کر دیا۔ زار روس کو از سر نو اپنی باجگزار حیثیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا گیا، جس کا بظاہر شاید سبب یہ تھا کہ اس دوران روسی فوجیں مغرب میں لیوونیا (Livonia) کے محاذ پر مصروف تھیں۔ کازان اور استر خان پر روسیوں کا قبضہ بدستور برقرار رہا۔ خان محمد گیرائے دوم (۸۴ - ۱۵۷۷ء) نے کازان اور استر خان سے روسیوں کو نکالنے

کے لیے نئے سرے سے کوششیں شروع کیں، لیکن چونکہ اس دوران عثمانی ترکوں کی طرف سے روسیوں کے خلاف کریمیا کو کسی قسم کی امداد ملنے کا امکان نہیں رہا تھا، لہذا خان محمد گیرائے دوم پولینڈ/لتھوانیا اور پوپ گریگوری سیزدہم سے اتحاد و تعاون کا خواستگار ہوا۔ مغربی ذرائع کے مطابق خان محمد گیرائے نے پوپ کی طرف سے امداد کے بدلے رومن کیتھولک عیسائی مذہب اختیار کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ مغربی وقائع نگار ۱۵۷۱ء سے ۱۵۸۲ء تک کے عرصے میں پوپ کی طرف سے متعدد سفراء کریمیا بھیجنے اور ۱۵۷۹ء میں ولنا (Vilna) میں کریمیا کی سفارت کو خوش آمدید کہنے کے عمل کو اسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ عیسائی طاقتوں سے مایوس ہونے کے بعد خان محمد گیرائے دوم کو آخر کار دوبارہ عثمانی ترکوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ خان نے ایران کے خلاف جنگ میں ۵۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ عثمانیوں کے سپرد کیا۔ خان محمد گیرائے دوم کے ولی عہد خان کالغائی (Kalghay) کے ایرانیوں کے ہاتھوں اسیری کے بعد خان کو بذات خود شاہ کے خلاف جنگ میں مداخلت کرنا پڑی جس کی وجہ سے باب عالی اور کریمیا کے خان کے درمیان یک گونہ کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔ ۱۵۸۴ء میں اندرونی خلفشار کے نتیجے میں خان محمد گیرائے دوم کو قتل کر دیا گیا۔

آزادی کی آخری دو صدیاں

کریمیا کے نئے خان غازی گیرائے دوم (۱۶۰۸-۱۵۸۸ء) کو طویل جدوجہد کے بعد کریمیا کا اقتدار ملا۔ غازی گیرائے شاعر تھے اور ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔ نئے خان نے ۱۵۹۱ء میں ماسکو کے خلاف فوج کشی کی لیکن اس کا حملہ ناکام ہوا۔ ۱۵۹۲ء سے ۱۶۰۶ء کے دوارن ہنگری کے خلاف جنگوں میں خان نے فوجی دستے بھیج کر عثمانیوں کی امداد کی۔ اس دوران کریمیا خود بیرونی حملوں سے محفوظ رہا جس کی وجہ سے اندرونی نظم و نسق بحال رہا اور ترقی و خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ امن و امان کی صورت حال اطمینان بخش تھی۔ عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے صادر کرتی تھیں۔ گھوڑوں کی تجارت عروج پر تھی۔ بیرونی کرنسیوں کے ساتھ شرح تبادلہ حکومت مقرر کرتی تھی۔ "دیوان" کو سپریم کورٹ آف جسٹس کی حیثیت حاصل تھی۔ میدانی علاقوں میں ۴۸ عدالتی اقالیم (Judicial Regions) تھیں جبکہ پہاڑی علاقوں میں ان عدالتی حلقوں کی تعداد ۱۹ تھی۔ رعایا کی شخصی آزادی کا احترام کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو ہر قسم کے حقوق، اسلامی شریعت کے مطابق، حاصل تھے۔ کئی تاتار عورتیں شعر کہنے میں مشاق ہوئیں۔ بسا اوقات عورتیں سفارتی مہمات اور حتی کہ فوجی مہمات میں بھی حصہ لیتی رہتی تھیں۔ ۱۵ سال کی عمر تک کے بچوں کو گھوڑ سواری اور اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جاتی تھی۔ چرکس بزرگ عموماً تعلیم و تربیت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ حکمرانوں اور خوشحال گھرانوں کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے قسطنطنیہ/استانبول بھیجا جاتا تھا۔ جن کے ذریعہ عثمانی تہذیب و ثقافت کو کریمیا میں پھلنے پھولنے کا

موقع ملا۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ عثمانی ترکوں کی زبان کریمیا کی ادبی زبان بن گئی۔ عثمانیوں کے ساتھ کریمیا کے ثقافتی تعلقات انتہائی مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئے۔ اقتدار کے لیے حکمران خاندان کے شہزادوں کی رسہ کشی میں عثمانیوں کی تائید و حمایت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔ قبائلی سردار جنہیں بے یا بیگ (Bey or Beg) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، بھی انتہائی طاقتور تھے۔ اور ان کی تائید و حمایت بھی کسی خان کی بحالی یا معزولی میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ خزانہ سرکار متفرق کسٹم محصولات، علاقائی گورنروں سے حاصل ہونے والی خراج کی رقم اور بالواسطہ ٹیکسوں کی محصولات سے عبارت تھا۔ عشر اور زکوٰۃ کے علاوہ کوئی بلاواسطہ ٹیکس نہیں تھا۔ کریمیا مکمل طور پر باپ عالی کی سیاسی بالادستی کے تابع تھا۔ اس دوران ماسکو سے بڑھتے ہوئے خطرہ کو روکنے کے لیے خان نے پڑوس کی طاقتوں کا تعاون حاصل کرنے کی بجائے وقتاً فوقتاً پولینڈ/لتھوانیا کے جنوب مغربی حصوں پر فوج کشی جاری رکھی۔

۱۶۵۴ء میں کوسک سردار بودان خمل نسکی جس کی اس وقت تک کریمیا کے خان تائید و حمایت کرتے رہے تھے، کی طرف سے وفاداری بدلنے کے بعد روسی زار کریمیا کے براہ راست پڑوسی بن گئے۔ روسی خطرہ سر پر پہنچ جانے کے بعد گیرائے خان (اسلام گیرائے سوم ۵۴ - ۱۶۴۴ء) اور شاہ پولینڈ/لتھوانیا کے درمیان تعلقات دوستی کی تجدید ہوئی۔ اور تاتار - پولینڈ/لتھوانیا مشترکہ افواج روسیوں، سوید اور ٹرانسلوانیوں کی اتحادی افواج کے ساتھ کئی محاذوں پر لڑتی رہیں۔ ۱۶۵۶ء میں وارسا کے نزدیک پرسیا (Prussia) اور کئی دیگر مقامات پر پولینڈ اور کریمیا کی افواج نے اتحادی فوجوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ خان محمد گیرائے چہارم جو ۱۶۵۴ء سے ۱۶۶۶ء تک دوبارہ سریر آرائے سلطنت ہوا، نے شہنشاہ پولینڈ کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیے، جس کی رو سے مسلم علاقوں مثلاً کازان اور استرخان کے فتح ہونے کی صورت میں ان پر کریمیا کی سیادت کو تسلیم کیا گیا۔ ۱۶۵۷ء میں کریمیا اور مملکت پولینڈ کی مشترکہ افواج نے ٹرانسلونیا کے خلاف اور ۱۶۶۰ء میں ماسکو کی افواج کے خلاف جنگیں لڑیں۔ ۱۶۶۶ء میں محمد گیرائے کی معزولی اور ۱۶۶۷ء میں معاہدہ اندروسوو (Armistice of Andrusovo) جو پولینڈ/لتھوانیا اور ماسکو کے درمیان طے پایا، کے ساتھ ہی کریمیا اور مملکت پولینڈ/لتھوانیا کا اتحاد اختتام کو پہنچا۔ دوسری طرف ۱۶۶۷ء ہی میں کوسکوں کے سردار کی طرف سے عثمانی سلطان کی اطاعت میں آجانے کے بعد علاقائی سیاسی صورت حال میں نئی تبدیلیوں کا ظہور ہوا۔

خان عادل گیرائے (۷۱ - ۱۶۶۶ء) اور کوسکوں کا اشتراک پولینڈ/لتھوانیا کے خلاف نئی جنگ کا پیش خیمہ بنا، جس کے نتیجہ میں ۱۶۷۲ء میں پوڈولیا (Podolia) ایک ترک صوبہ بنا۔ اور یوں بحیرہ اسود کے شمال میں عثمانی خلافت کا پھیلاؤ اپنی آخری حدوں تک پہنچ گیا۔ خان مراد گیرائے (۸۳-۱۶۷۸ء) نے کریمیا کو عثمانی ترکوں کی بالادستی سے آزاد کرنے کا نعرہ دے کر شریعت اسلامی کی جگہ "چنگیز خانی قانون" لاگو کرنے کا اعلان کیا جس کی بنا پر وہ علماء اور مسلم عوام کے غیض و غضب کا

نشانہ بنا۔ وہ ۱۶۸۳ء میں ویانا کے خلاف عثمانی ترکوں کی پیش قدمی کے وقت عثمانیوں سے لاتعلق رہا اور اس نے ترکوں کی اس مہم کے سلسلہ میں کوئی فوج نہ بھیجی۔ خان مراد کے اس باغیانہ طرزِ عمل کے سبب اسے بلغاریہ جلا وطن کر دیا گیا۔ عثمانی ترکوں اور کریمیا کے حکمران خاندان کے درمیان اس اختلاف و افتراق نے نہ صرف روسیوں کے حوصلے بڑھائے، بلکہ دریائے دنیپر کے شمالی کنارے کوسک سرداروں کو بھی ایک بار پھر اپنی وفاداریاں بدل کر روسیوں کی بالادستی تسلیم کرنے پر اکسایا۔ روسی زاروں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۸۷ - ۱۶۸۶ء میں کریمیا پر چڑھائی کر دی۔ اگرچہ خان سلیم گیرائے جو ۹۹ - ۱۶۸۴ء کے دوران دوسری بار کریمیا کا حکمران رہا، جزیرہ نمائے کریمیا کا دفاع کرنے میں کامیاب رہا، تاہم اسے قفقاز کی طرف کے علاقے ازوف (Azov) سے ہاتھ دھونا پڑے۔ جس پر زار پیٹر اعظم نے ۱۶۹۹ء میں قبضہ کر لیا۔ ۱۶۸۲ء سے ۱۶۹۹ء کے دوران یورپی اتحادیوں کے ہاتھوں ترک افواج کی شکست نے کریمیا کے مستقبل پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ کریمیا کے لیے شمال کی طرف سے خطرات روز بروز بڑھتے گئے۔ ۱۷۰۹ء میں پولتاوا (Poltava) کے نزدیک روسیوں کی فتح کے بعد شاہ سویڈن چارلس دوازدہم، کوسک سردار ایوان سٹیپا نوچ مازیپا اور کریمیا کے درمیان مجوزہ تعاون کا منصوبہ جس کو روبہ عمل لانے میں خان غازی گیرائے سوم نے بہت زیادہ دلچسپی لی، مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔ بہرحال اس سہہ فریقی تعاون کے ابتدائی مراحل میں ہی پرتھ (Pruth) کے نزدیک ترک افواج کے نرغے میں آئے ہوئے پیٹر اعظم کو (Azov) خالی کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ خان دولت گیرائے دوم، جو ۱۷۰۷ سے ۱۷۱۳ء تک دوبارہ سریر آرائے سلطنت ہوا، نے کریمیا کی سیادت کو ماسکو کی طرف سے روز افزوں خطرات کے پیش نظر اپنے سابقہ اتحادیوں کو دوبارہ روسیوں کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششیں کیں، لیکن ان کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ ۱۷۳۸/۱۷۳۷ء کے دوران روسیوں نے کریمیا پر دھاوا بول کر متعدد ثقافتی و تہذیبی اقدار کی حامل عالیشان عمارتوں (بشمول باغیچے سرائے کے محل کے) کو زمین بوس کر دیا۔ ۱۷۳۹ء میں عثمانی ترکوں اور کریمیا کے تاتاروں کو بحر ازوف (Azov) سے متصل علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روسیوں کے سپرد کر کے اس سے عملاً دستبردار ہونا پڑا۔ روسیوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں، وسیع ترجانی نقصان، حکمران خاندان کے شہزادوں میں اقتدار کے لیے رسہ کشی اور نوغائی (Noghay) قبائل کی مسلسل بغاوتوں نے کریمیا کی پہلے سے زوال پذیر طاقت کو مزید کمزور کر دیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں پولینڈ/لتھوانیا، کریمیا اور عثمانی ترکوں کے مابین اگرچہ مختلف مواقع پر اتحاد و اشتراک کے منصوبوں کی تجویزیں پیش کی جاتی رہیں تاہم کسی بھی منصوبہ اتحاد پر پیش رفت نہ ہو سکی۔

۱۷۳۷ء اور ۱۷۳۸ء میں روسی حملوں کی تباہ کاریوں نے شاید کریمیا کے تاتاروں میں زندگی کی امنگوں کو از سرِ نو بیدار کر دیا تھا۔ چنانچہ بعد کے سالوں میں کریمیا میں ثقافت اور تمدن کے میدانوں میں زبردست سرگرمیوں کا ظہور عمل میں آیا۔ ۱۷۴۰ء سے ۱۷۴۳ء تک کے عرصہ میں باغچے سرائے محل کی از سرِ نو تعمیر کی گئی۔ عثمانی سلطان کی طرف سے بیش بہا کتابوں کا خزانہ بطور تحفہ کریمیا بھیجا گیا۔ مجسموں اور تصویروں سے مزین ایک نئے دیوان (State room) کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی گئی، اور پرانے آبی گذر گاہوں اور نہروں کی از سرِ نو کھدائی کر کے پھر سے معاشی خوشحالی کی راہیں ہموار کی گئیں۔

لیکن معاشی خوشحالی اور ثقافتی و تمدنی ترقی پر مبنی ان پُرجوش سرگرمیوں سے کریمیا کے عوام ابھی پوری طرح مستفید بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ۱۷۷۱ء میں انہیں ایک بار پھر روسی حملہ آوروں کے طوفان نے آ لیا۔ خان سلیم گیرائے سوم (دوسرا زمانہ اقتدار، ۱۷۷۰-۱ء) نے اپنے طور پر روسی حملہ آوروں کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی، لیکن خود عثمانی ترکوں کے زارینہ کیتھرائن دوم کے ساتھ مصروف جنگ (۱۷۶۸-۷۴ء) ہونے کی وجہ سے اسے سلطان ترکی کی طرف سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ روسیوں کی پیش قدمی کافا (Caffa) پر جا کر رکی۔ خان سلیم گیرائے سوم کو استانبول فرار ہونا پڑا۔ جنگ کے نتیجہ میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے، اور متعدد عالی شان عمارتیں تباہ کر دی گئیں۔ ۱۷۷۴ء میں کوچک کنیاردی (Kucuk Kanyardji) معاہدہ امن کے ذریعہ باب عالی (عثمانی خلافت) نے کریمیا کے استقلال کو تسلیم کر لیا، اور نہ صرف کرچ (Kerc) ینی قلعہ (Yeni Kale) اور کافا (Kaffa) کے قلعوں سے دستبرداری کا اعلان کیا بلکہ کوبان (Kuban) اور جزیرہ نمائے تامان (Taman) پر بھی روسی بالادستی کو تسلیم کر لیا۔ اگرچہ ۱۷۷۹ء میں اینالی کواک (Aynali Kavak) سمجھوتہ کی رو سے روسیوں نے سلطان ترکی کو خلیفہ کی حیثیت سے کریمیائی مسلمانوں کا روحانی پیشوا تسلیم کیا، لیکن کریمیا کی اندرونی سیاست پر بالواسطہ طور پر روسیوں کا قبضہ مستحکم ہوتا چلا گیا۔ ۱۷۷۷ء میں کریمیا کا آخری خان شاہین گیرائے روسیوں اور روس نواز ناغائی قبائل کی مدد سے ہی حکمران بنا۔ خان شاہین گیرائے روسی طرز پر اصلاحات نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا دارالحکومت کافا منتقل کیا۔ اپنی ۶۰۰۰ نفوس پر مشتمل فوج کی تربیت کے لیے غیر ملکی فوجی ماہرین (Instructers) کریمیا بلوائے۔ وقف املاک کو محدود کیا اور علماء اور مذہبی طبقات کے لیے پنشن کا اعلان کیا۔ غیر ملکی نگرانی میں نئے چاندی کے سکے کا اجراء کیا۔ ۱۲ ممبروں پر مشتمل ایک وزارتی مجلس کا اعلان کیا، اور سرکاری محصولات کے نظام میں اصلاحات کے لیے متعدد اقدامات کا اعلان کیا۔ ان اصلاحات کے نتیجہ میں ملکی معیشت پر قرضوں کا

بوجھ بڑھ گیا جس نے معاشی اور سیاسی بد امنی کو جنم دیا۔ ۱۷۸۲ء میں ناغائی قبائل اور خان شاہین گیرائے کے دو بھائیوں نے خان کے خلاف بغاوت کر دی۔ دونوں باغی شہزادے خان کی روس نوازی سے نالاں تھے، اور عثمانیوں کے ساتھ از سر نو مضبوط تعلقات کے قیام کے خواہاں تھے۔ خان نے (یوکرین) میں روسی مقبوضات کے گورنر گریگوری بوٹمکین کے ہاں پناہ لی۔ اگرچہ روسیوں کی مدد ہی سے خان کریمیا کے زمام اقتدار پر دوبارہ قابض ہونے میں کامیاب ہوا، لیکن جلد ہی اسے زارینہ کیتھرائن دوم کی طرف سے مسلسل دباؤ کے نتیجہ میں کریمیا روسیوں کے حوالے کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

۱۷۸۳ء میں روسیوں نے کریمیا پر اپنا قبضہ مستحکم کیا، جب روسی جنرل بوٹمکین نے بظاہر خان شاہین گیرائے کو اس کا "جائز حق" واپس دلانے کے لیے لشکر جرار کے ساتھ کریمیا کو روند ڈالا۔ روسیوں نے کریمیا میں جو بے گناہ خون ریزی کی اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ روسیوں کے ہاتھوں صرف ایک شہر کاراسور بازار میں تیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ فرانسیسی مورخ لاردش لکھتا ہے۔

> "انسانیت (جنرل) بوٹمکین سے ان ہولناک جرائم کا حساب لے گی جن کا ارتکاب اس نے کریمیا کی سرزمین پر کیا ہے۔"

(جاری ہے۔)